اقلیتی حقوق اور دستوری قوانین

(ڈاکٹر) محمود حسن الٰہ آبادی (بھیونڈی)

"جمہوریت" کی تعریف کی جاتی ہے "عوام کی حکومت عوام کے ذریعہ، عوام کے لئے" اس لحاظ سے اب تک جتنے بھی نظام ہائے حکومت کا تجربہ ہوا ہے۔ ان میں "جمہوریت" کو بہترین تسلیم کیا گیا ہے۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد ہمارے ملک نے بھی یہی نظام حکومت اختیار کیا اور اسی کی خاطر ۲۶ر جنوری ۱۹۵۰ء "آئین ہند" نافذ ہوا جو دنیا کے رائج الوقت دساتیر سے مثبت استفادے پر مبنی تھا۔

جمہوریت کہنے کو تو عوام کی حکومت ہے۔ لیکن دراصل یہ عوام کی اکثریت کی حکومت ہے۔ ہندوستان میں عوام کی نمائندگی کا قانون نافذ ہے اس لئے یہی نمائندے یہاں عوام کہلاتے ہیں۔ جو بھی قانون یہاں بنتا اور نافذ ہوتا ہے انھیں نمائندوں کی مرضی سے بنتا اور نافذ ہوتا ہے۔ اس طرح بجا طور سے کہا جا سکتا ہے کہ جمہوریت اکثریت کی حکومت کا نام ہے۔ حکیم مشرقؒ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اہل الرائے کی رائے خواہ کتنی ہی صائب ہو۔ لیکن اگر کسی احمقانہ فیصلے کے لئے

ان کے مقابلہ میں زیادہ رائیں حاصل ہو جائیں تو انھیں کو قانون کا درجہ حاصل ہو گا لیکن زمانہ نے اس قسم کے معاملوں کو حکومت جمہور کے حق کے طور پر تسلیم کر لیا ہے۔

اکثریت کی حکومت میں ان اقلیتوں کا مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے جن کا کوئی مذہبی، تہذیبی یا لسانی تشخص ہو۔ ان لوگوں کے حقوق کو اکثر دساتیر عالم نے تسلیم کر لیا ہے کیونکہ اگر یہ حق تسلیم نہ کیا جائے تو یہ اکثریت کا مذہبی، تہذیبی یا لسانی جبر مانا جائے گا بنا بریں یہ کہ اس طرح وہ اقلیت کے گھاٹ اتر جائے گی۔ واضح رہے کہ جمہوریت میں یہ خصوصی حقوق صرف "اقلیت" کو حاصل ہوتے ہیں "اکثریت" کو حاصل نہیں ہوتے۔ اکثریت کو یہ حقوق نہ ملنے کا سبب یہ ہے کہ اپنی اکثریت کے بل بوتے پر وہ جو قانون چاہے خود وضع کر سکتی ہے۔ حقیقت کی زبان میں اس کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ تمام قوانین اور دستور اکثریت ہی کے ہوتے ہیں۔ البتہ مخصوص تشخصات کے ضمن میں متعلقہ اقلیتوں کو صرف "تحفظ" عطا کیا گیا ہے۔ اس طرح اگر کہیں "اقلیت" کے کسی حق کی پامالی ہوتی ہے تو وہ اس کے خلاف چارہ جوئی کر سکتی ہے۔ جبکہ اکثریت کو ایسا کوئی خصوصی حق نہیں۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اکثریت کو (خواہ عمومی ہو یا مجالس قانون سازکی) اقلیت کے متحفظ حقوق کی پامالی کا حق نہیں ہے۔

ان حقوق کے سلسلے میں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ یہ حقوق حکومت کے متعلقہ اصول اور پالیسی کے خلاف نہیں ہوا کرتے۔ اور اسی لئے اس قسم کے خصوصی حقوق بھی دئے جاتے ہیں انھیں کچھ شرائط کا پابند یا کچھ حدود سے محدود کر دیا جاتا ہے۔ ان حقوق اور حدود و شرائط کے مابین کبھی کبھی کشمکش ہوا کرتی ہے اور کبھی کبھی ان حقوق اور حکومت کی خواہشات کے درمیان تصادم ہوا کرتا ہے۔ ان مواقع پر متوازن طور سے نپٹنے کا اختیار عدلیہ کو دیا گیا ہے۔

...وستان کا دستور درج بالا خطوط پر یہاں نافذ العمل ہے۔ کبھی کبھی خود دستور
...ں ترمیم ہو جاتی ہے اور ہمارے یہاں تو دستوری ترمیمات کی تعداد اتنی بڑھ چکی ہے
...اصل دستور (۱۹۵۰ء) والے سے اس کا موازنہ کیا جائے تو بیشتر جگہوں پر
...خ روشنائی ہی نظر آئے گی۔ لیکن اکثر مواقع پر قانون سازی کے مرحلہ میں ہی
...ون اور دستور کا تصادم ہو جاتا ہے۔ اس تصادم کو دور کرنے کا کام عدلیہ کا ہے۔
...کہیں ذمہ دارانِ حکومت دستوری حقوق کا لحاظ کئے بغیر کسی فرد یا گروہ کے خلاف
...گذرتے ہیں۔ یہاں پھر عدلیہ کو دخل دینا پڑتا ہے۔ غرض کہ عوام اور حکومت کے
...یان قانونی یا دستوری معرکہ آرائی میں حکم اور امپائر کی خدمت عالیہ انجام
...ا ہے۔

...ستوری زبان کی تشریح و تعبیر عدلیہ کا حق ہے اور یہ حق ... خود دستور ہند کی آرٹیکلز
...۱۴۱ (۱) ، ۱۴۴ (۱) اور ۱۴۷ نے دیا ہے۔ دستور ایک منشور ہے لیکن اس کے منشا اور
...اصد کو متعین کرنے، اس کے نفاذ کی عملی صورتیں مقرر کرنے یا متصادم قوانین کے درمیان
...ق پیدا کرنے یا عدم موافقت کی صورت میں کسی قانون کو کالعدم کرنے کا اختیار عدلیہ کا
...۔ عدلیہ سے مراد ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ ہے۔ سپریم کورٹ کی قانونی رائے ہائی کورٹ
...قانونی رائے پر فوقیت رکھتی ہے

...یادی حقوق

...ستور ہند کا تیسرا باب بنیادی حقوق پر مشتمل ہے انگریزوں کے زمانہ میں ہندوستانیوں
...قسم کو ... حق حاصل نہیں تھا۔ سائمن کمیشن نے بنیادی حقوق کا چارٹر جاری کرنے
...رکر دیا تھا ... اس کے برخلاف نہرو رپورٹ خصوصی طور سے بنیادی حقوق عطا کئے جانے
...کو ... نتیجہ دستور ہند کا تیسرا باب انھیں حقوق سے بحث کرتا ہے۔

یہ باب آرٹیکل ۱۲ تا ۳۱ یعنی بیس آرٹیکلز پر مشتمل ہے جس میں سے دو ابتدائی آرٹیکلز (۱۳،۱۲) عمومی ہیں۔ پانچ آرٹیکلز (۱۴ تا ۱۸) مساوات کا حق دیتے ہیں۔ چار آرٹیکلز (۱۹ تا ۲۲) آزادی کی حمایت کرتے ہیں۔ دو آرٹیکلز (۲۳، ۲۴) استحصال کے خلاف ہیں چار آرٹیکلز (۲۵ تا ۲۸) مذہب کی آزادی سے متعلق ہیں۔ دو آرٹیکلز (۲۹، ۳۰) تہذیبی اور تعلیمی حقوق پر مبنی ہیں اور آخری آرٹیکل (۳۱) جائداد کے حق سے بحث کرتا ہے۔ اس فہرست پر نظر ڈالنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ منجملہ عمومی شہری اور انسانی حقوق کے چھ آرٹیکلز (۲۵ تا ۳۰) ان حقوق پر مبنی ہیں جن میں اقلیتوں کا یا تو تذکرہ ہے یا ان کا تعین ان کی عددی قلت کی بنا پر کیا گیا ہے۔

مسلمان چونکہ ہندوستان میں اقلیت میں ہیں۔ ان کی یہ حیثیت مذہبی بھی ہے اور تہذیبی و لسانی بھی۔ اس لئے دستور کے مندرجہ بالا اقلیتی حقوق کے آرٹیکلز میں بشمول دیگر اقلیتوں کے ان کے حقوق بھی محفوظ کئے گئے ہیں۔

واضح رہے کہ دستوری تیقنات کی خلاف ورزی کی شکایت تنہا مسلمانوں کو ہی نہیں ہوتی ہے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی ہوتی ہے۔ لیکن دوسری اقلیتیں مختلف اسباب کی بنا پر مسلمانوں کے مقابلے میں بہتر پوزیشن میں ہیں۔ اس لئے قانونی مرافعہ ان کی جانب سے زیادہ ہوا ہے۔ اور ان ہی مرافعات کی وجہ سے دستور کے ابہامات رفع ہوتے ہیں۔ بہت سے اجمالات کی تفصیل ہوتی ہے۔ اور ان کے حقوق کے تعلق سے دوسرے بہت سے قوانین کو کالعدم قرار دیا گیا ہے۔ یہ بات نہایت افسوس کے ساتھ نوٹ کی جائے گی کہ جہاں عیسائیوں اور دیگر ہندو مذہب سے تعلق رکھنے والے فرقوں کے ساتھ عدلیہ کا سلوک بڑا فیاضانہ رہا ہے۔ مسلمانوں کے معاملات میں اس نے ایسی فراخدلی نہیں دکھائی ہے بلکہ اکثر مواقع ایسے آئے ہیں کہ جن کی وجہ سے متفقہ طور پر ایسے اثرات کالعدم قرار دینے کی خلاف مرافعت کر

ہوا ہے۔

اب ہم ذیل میں مذکورہ چھ آرٹیکلز کا اردو ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ان آرٹیکلز کی تشریحات بھی جن سے دستوری قوانین کی تشکیل و تشریح ہوتی ہے فیصلے بھی نقل کریں گے۔

ہندوستان نے اپنے لئے مذہبی کے بجائے نامذہبی (Secularzim) طرز حکومت پسند کیا ہے اس لفظ سیکولر کی تعریف کرتے ہوئے مسٹر درگا داس بسو لکھتے ہیں:

"جہاں تک لفظ "سیکولر" کا تعلق ہے۔ آرٹیکلز ۲۵ تا ۳۰ کے مندرجات اور اس مقصد کا حاصل کہا جا سکتا ہے لیکن "قانوناً" سیکولرازم بالکل غیر واضح ہے جبکہ آرٹیکلز ۲۵ تا ۳۰ مندرجات حریت اور مذہبی آزادی کے مختلف گوشوں پر واضح طور سے زور دیتے ہیں۔ یہ عمومی مخرج سے نکلا ہوا غیر تکنیکی لفظ "سیکولر" ان کے (آرٹیکلز ۲۵ تا ۳۰ کے) مندرجات کے معانی کو واضح کرنے کے بجائے آئین میں پڑا بدنصیب اور مبہم رہا ہے۔ دیباچہ میں اس لفظ کی شمولیت کم ہی افادہ بخش ثابت ہوئی۔"

آرٹیکلز متعلقہ سیکولرزم مشمولہ دستور ہند

۲۵ (۱) امن نامہ، اخلاق اور صحت نیز اس حصہ (حصہ سوم بنام بنیادی حقوق) کی مگر شرائط کے ساتھ ہر شخص کو ضمیر کی آزادی، آزادانہ طور سے اس کے اظہار اور اس پر عمل نیز مذہب کی تبلیغ کا یکساں حق حاصل ہے۔

(۲) یہ آرٹیکل موجودہ کسی بھی قانون کے نفاذ یا اسٹیٹ کے کوئی ایسا قانون وضع کرنے میں مانع نہ ہوگا جوکہ

(۱) کسی معاشی، مالی، سیاسی یا کسی دیگر غیر مذہبی (سیکولر) عمل کو جو مذہب پر عمل کرنے سے متعلق ہیں، منضبط یا محدود کرنے والا ہو۔

(ب) عمومی فلاح وصلاح یا پبلک (عمومی) نوعیت کے ہندو مذہبی اداروں کو ہندو مذہب کے ہر طبقہ اور گروہ کے لئے عام کرنے والا ہو۔

توضیح (۱) کرپان رکھنا اور لے کر چلنا سکھوں کا شعار سمجھا جائے گا۔

(۲) مندرجہ بالا دفعہ (۲) (ب) میں لفظ ہندو کا اطلاق سکھوں جینیوں اور بدھوں پر بھی ہوگا اور ہندو مذہبی اداروں سے مراد بھی اسی مفہوم پر مبنی ہوگا۔

آرٹیکل ۲۶ - امن عامہ، اخلاق اور صحت کی شرط کے ساتھ ہر مذہبی گروہ یا اس کے کسی طبقہ کو حق ہوگا کہ

(۱) مذہبی اور اوقافی مقاصد کے لئے ادارے قائم کرے اور چلائے۔

(ب) مذہب کے تعلق سے اپنے معاملات کا انتظام کرے

(ج) منقولہ یا غیر منقولہ جائداد رکھے اور حاصل کرے۔

(د) ضابطہ قانون کے مطابق اس کا انتظام کرے۔

آرٹیکل ۲۷ کسی بھی شخص کو کسی ایسے ٹیکس کے لئے مجبور نہ کیا جائے گا جس کا حصول متعین طور سے کسی خاص مذہب یا مذہبی طبقہ کی ترقی یا قیام کے خرچ کی غرض سے کیا جاتا ہو۔

آرٹیکل ۲۸ (۱) کسی بھی ایسے تعلیمی ادارہ میں جس کا پورا خرچ حکومت برداشت کرتی ہو کوئی مذہبی تعلیم نہ دی جائے گی۔

(۲) مندرجہ بالا دفعہ (۱) کا اطلاق ایسے کسی تعلیمی ادارہ پر نہ ہوگا جسے حکومت

چلاتی ہو لیکن جس کا قیام کسی عطیہ یا وقف کے ذریعہ عمل میں آیا ہوا ورجس کی بنیادی شرائط میں اس ادارہ میں مذہبی تعلیم کا دیا جانا شامل ہو۔

(۳) کوئی بھی شخص جو حکومت کے تسلیم کردہ یا حکومت کے فنڈ سے امداد پانے والے ادارہ میں تعلیم پا رہا ہو۔ کسی بھی طرح کی مذہبی تعلیم یا مذہبی عبادت میں جو وہاں یا اس کے حدود میں رائج ہے۔ شریک ہونے کا پابند نہیں جب تک وہ خود یا اگر وہ نابالغ ہے تو اس کا سرپرست اس کے لئے تحریری رضامندی دیدے۔

آرٹیکل ۲۹ (۱) ہندوستان کے کسی گوشہ میں بسنے والے شہریوں کے کسی بھی طبقہ کو جو ایک ممیز زبان، رسم الخط یا اپنی مخصوص ثقافت کا حامل ہو یہ حق ہوگا کہ وہ اسے محفوظ رکھے۔

(۲) حکومت کے زیر انتظام یا حکومت سے امداد پانے والے کسی تعلیمی ادارے میں مذہب، قبیلہ، برادری اور زبان یا ان میں سے کسی ایک کی بنا پر کسی ایک کی بنا پر کسی شہری کو داخل ہونے سے روکا نہ جا سکے گا۔

آرٹیکل ۳۰ (۱) تمام اقلیتیں خواہ وہ مذہبی ہوں یا لسانی اس بات کا حق رکھتی ہیں کہ اپنی پسند کی تعلیم گاہیں قائم کریں اور انھیں چلائیں۔

(۲) حکومت کسی بھی تعلیمی ادارہ کی امداد کرنے میں محض اس بنا پر کوئی تفریق روا نہیں رکھے گی کہ وہ ادارہ کسی بھی مذہبی یا لسانی اقلیت نے قائم کیا ہے۔

مندرجہ بالا جو تمام تر اقلیتوں سے متعلق ہیں۔ مختلف گوشہ ہائے زندگی سے گفتگو کرنے کے باوجود باہم دگر مربوط ہیں۔ ان کے ربط کا اصل سبب یہی اقلیتوں کے معاملات سے متعلق ہونا ہی ہے۔ اگرچہ عدالتیں مختلف اوقات میں مختلف آرٹیکلز کے تحت الگ الگ

فیصلے کرتی رہی ہیں لیکن ان تمام فیصلوں کو یکجا کرنے سے دستور میں استعمال شدہ ہر لفظ کے معنی اور مفہوم کا تعین ہوتا ہے۔ اب ہم ترتیب وار ہر آرٹیکل کے مختلف گوشوں پر ان فیصلوں کی روشنی میں غور کریں گے۔ اس سلسلے میں درگا داس باسو سابق ممبر لاکمیشن اور جج کلکتہ ہائی کورٹ کی مشہور کتاب "ہندوستان کا دستوری قانون" Constitutional Law of India سے بیشتر استفادہ کیا گیا ہے۔

آرٹیکل ۲۵۔ آزادی ضمیر و مذہب سے کیا مراد ہے؟

اس آرٹیکل میں عائد کردہ شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمارے دستور نے ہر شخص کو یہ بنیادی حق دیا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے فیصلہ و ضمیر کے مطابق کوئی مذہبی عقیدہ اختیار کرے بلکہ اسے ظاہر کرنے کے ایسے عوامی طریقے بھی اختیار کرے جسے اس کے مذہب نے لازمی یا جائز قرار دئے ہوں اور ساتھ ہی اپنے مذہبی خیالات کی لوگوں کی بھلائی کے لئے تبلیغ و تشہیر بھی کرے[1]۔

امن عامہ اخلاق اور صحت کیا چیز ہے؟

اس سے مراد امن عامہ کو برقرار رکھنا ہے جس سے دوسرے فرقہ کے جذبات جان بوجھ کر مشتعل نہ کئے جائیں[2]۔ اسی فقرہ سے حکومت کو مہلک افعال جیسے انسانی قربانی کو روکنے کا حق حاصل ہوتا ہے[3]۔

دیگر شرائط کی تشریح:

دیگر شرائط ایک وسیع فقرہ ہے۔ اس میں کئی چیزیں شامل ہیں مثلاً

(ا) اس سے مراد دفعہ (۱) کی آزادی کو حکومت کی طرف سے منضبط کرنا ہے جیسا کہ دفعہ (۲) (ب) میں کہا گیا ہے[4]۔

(ب) مناسب حدود یا پابندیاں عائد کرنا بھی اس میں شامل ہے[5]۔

اظہار اور عمل کا مفہوم: یہ در آزادی کا اظہار ہے چنانچہ

روحانی عقیدہ جب تک بلا روک ٹوک اظہار اور عمل میں نہ آئے آزادی ضمیر بے معنیٰ ہے۔ ضمیر کا اظہار جب تک زبان سے نہ ہو حکومت متعرض نہیں ہوتی۔ اظہار رائے کی آزادی۔ سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو اس کے عقیدہ کا علم ہوجائے اور عمل کی آزادی یہ ہے کہ وہ انفرادی اور عوامی (اجتماعی) عبادتوں سے اس کا اظہار کرسکے۔[۵]

مذہب کی تعریف:

آرٹیکل ۲۵ اور ۲۶ نہ صرف یقین اور عقیدہ سے متعلق معاملات پر عمل اور اس کی تبلیغ کی ضمانت دیتے ہیں بلکہ ان رسوم و افعال کی بھی ضمانت دیتے ہیں جو کسی عقیدہ کے حامل کے نزدیک اس کے مذہب کا لازمی جزو ہے۔ مذہب عقیدہ پر مبنی ہوا کرتا ہے۔ اس کے لئے خدا کے وجود پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ ہندوستان کے مشہور مذاہب بدھ مت اور جین مت خدا کا وجود تسلیم نہیں کرتے —————— مذہب پر عمل یا اس کے احکام کی بجا آوری مذہب کا ویسے ہی جز ہے جیسے اس پر یقین و اعتقاد۔[۶]

مذہب کے لازمی اجزا کیا ہیں اسے اس مذہب کے اصولوں سے ہی متعین کیا جا سکتا ہے۔[۷]

مذکورہ اصول کی روشنی میں چونکہ قربانی گائے کے علاوہ اور جانوروں کی بھی ہو جاتی ہے اس لئے گائے کی قربانی مسلمانوں کے مذہب میں ایک لازمی ظاہری عمل نہیں ہے۔

دفعہ (۱)(۳) کے نفاذ میں ہر چیز دیکھی جائے گی کہ کوئی فعل یا عمل لازمی طور سے مذہبی شناخت کا حصہ ہے یا نہیں ہے۔

آیا کوئی مذہبی فعل کسی مذہب کا لازمی حصہ ہے یا نہیں عدالتوں کے معروضی فیصلہ پر مبنی ہے۔ کسی مذہبی گروہ کا نقطۂ نظر اس باب میں قطعی نہیں ہے۔[۸] البتہ مذہبی رسوم و آداب کیا ہیں اس کا فیصلہ مذہبی گروہ ہی کرے گا۔[۹]

آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ مذکورہ عدالتی فیصلہ نمبر ۷، ۳ اور ۸ میں فریق مسلمان ہیں اس لئے اس میں معزز عدلیہ کا کیا رویہ ہے۔ اس کے برخلاف فیصلہ نمبر ۹ میں فریق غیر مسلم ہے اس لیے ۱۹۷۱ء کا یہ فیصلہ ۱۹۷۲ء میں کس طرح بدل گیا ہے۔

دفعہ (۲) (ب) سماجی اصلاح: یہ بھی ایک وسیع اصطلاح ہے یہاں اس سے مراد ایسے اصول اور خیالات کا خاتمہ ہے جو مجموعی طور سے مکمل ترقی کی راہ میں حائل ہوں لیکن جن کا مذہبی روح سے کوئی تعلق نہ ہو جیسے ہندوؤں میں دوزوجگی اس بنا پر کہ ایک بیوی سے اولاد نہیں ہے۔ کیونکہ وہ گود لے سکتا ہے[۲] یا ستی اور دیوداسی کی رسم[۳]

آرٹیکلز ۲۵ اور ۲۶ کے درمیان فرق:

آرٹیکل ۲۵ عمومی ہے جبکہ آرٹیکل ۲۶ مذہبی گروہوں سے متعلق ہے۔ امن عامہ، اخلاق اور صحت کی شرط دونوں میں ہے لیکن آرٹیکل ۲۵ تیسرے باب (بنیادی حقوق) کی دیگر شرائط کے ساتھ مشروط ہے جبکہ آرٹیکل ۲۶ اس سے مبرا ہے[۵]

آرٹیکل ۲۶، مذہبی گروہ میں گروہ سے مراد افراد کا مجموعہ ہے جو ایک نام سے پکارا جائے۔ مذہبی گروہ یا ادارہ جو یکساں عقیدہ اور تنظیم اور ایک ممتاز نام رکھتا ہو۔ اس آرٹیکل کے تحت مذہبی گروہ میں نہ صرف کوئی مذہبی گروہ من حیث الکل شامل ہے بلکہ اس کا ایک ٹکڑا بھی۔ جیسے کہ "مٹھ" آرٹیکل ۲۶ کے تحت ایک مذہبی ادارہ ہے[۶]

یہ آرٹیکل کسی بھی مذہبی ادارہ سے تعلق رکھنے والی کسی جائداد کو حکومت کے اپنے قبضے میں کر لینے کے حق کو ساقط نہیں کرتا۔[۱۱]

مذہبی ادارے قائم کرنا اور انھیں چلانا

"قائم کرنا اور چلانا ایک دوسرے پر عطف ہیں۔ چلانے میں بلاشک ادارہ کا

میں شامل ہے لیکن یہ حق اسی وقت قائم ہوگا جبکہ خود اس حق کے مدعی گروہ ہی نے یہ ادارہ قائم کیا ہو۔[۱۲]

قابل توجہ

مذکورہ مقدمہ مندرجہ نمبر ۱۱ میں فریق مسلمان ہے اس لئے جائداد کے حصول کے لیے حکومت کے حق کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ یہ بات کسی طرح حلق سے نیچے نہیں اترتی کہ دستور ہند کے تیقنات کی موجودگی میں ایک اقلیتی جائداد کس طرح حکومت کے قبضہ میں جا سکتی ہے۔ لفظی گورکھ دھندے کی جو مثال اس مقدمہ نمبر ۱۱ میں ہے۔ اس نے مقدمہ نمبر ۱۲ میں انتہائی شرمناک صورت اختیار کر لی ہے۔ یہ وہی مشہور عالم مقدمہ ہے جس میں آنجہانی محمد علی کریم بھائی چھاگلہ جو اس وقت مرکز میں وزیر تعلیم تھے کے سمجھائے ہوئے نکتہ کی بنا پر سپریم کورٹ کے معزز جج صاحبان نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ چونکہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی مسلمانوں نے قائم نہیں کی بلکہ حکومت ہند کے قانون نے قائم کی ہے اس لئے اس کے انتظام کا حق مسلمانوں کو نہیں دیا جا سکتا۔ چونکہ قائم کرنا اور چلانا ایک دوسرے پر عطف ہیں اس لئے سیدھی سی بات یہ ہے کہ یونیورسٹی مسلمانوں نے قائم ہی نہیں کی۔ واضح رہے کہ یہ معاملہ اس قدر کھلم کھلا غلط اور مضحکہ خیز تھا کہ اس وقت کے مہاراشٹر کے ایڈوکیٹ جنرل مسٹر ایم سیروائی نے اس پر شدید تنقید کی تھی اور یہ رائے دی تھی کہ محض ایک حقیر ٹکنکل نکتہ کی بنیاد پہ ایک یونیورسٹی جو واقعتاً مسلمانوں نے ہی قائم کی ہے۔ حکومت کو اس کے قیام کا ذمہ دار گردانا جا رہا ہے۔ اس سے دستور کے ساتھ بڑی ناانصافی ہو رہی ہے۔ یہ فیصلہ بدلا جانا چاہیئے۔ لوگوں کو شاید یاد ہو کہ یہ فیصلہ بدلا نہیں گیا۔ کیونکہ مسلمانوں نے نظر ثانی کی کوئی درخواست پیش نہیں کی تھی۔ وجہ یہی تھی کہ عدلیہ پہ سے مسلمانوں کا اعتبار بالکل ختم ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ خود حکومت ہند ہی نے مداخلت کر کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ترمیمی بل پیش کیا اور تب ہی یہ قضیہ نا مرضیہ

ختم ہوا۔

آرٹیکل ۲۶ (ب) کسی مذہبی گروہ کا کسی کو مذہب سے خارج کر دینے کا عمل مذہبی بنیادوں پر اس آرٹیکل کے تحت اس لئے کہ اس کے شہری حقوق متاثر ہوتے ہیں ساقط نہیں کیا جا سکتا بشمول اس گروہ کی جائداد سے فائدہ اٹھانے کے۔[۳]

بعض سکھوں کو تنخیا قرار دینا یا ترقی پسند بوہروں کا سماجی بائیکاٹ اسی ضمن میں آتا ہے۔

دفعہ (د) میں جائداد کا حق استعمال قانون کے ذریعہ مدون (REGULAR) کیا جا سکتا ہے۔ لیکن دفعہ (ب) پر قانونی دست درازی سوائے امن عامہ، اخلاق یا صحت کی شرط ممکن نہیں ہے[۴]۔ ٹرسٹ کی جائداد یا رقم کو واقف کی مرضی کے خلاف خرچ کرنا خواہ اس سے ٹرسٹ کے اصل مقاصد پورے ہو رہے ہوں غیر منصفانہ ہے[۵] (ہماری عرض ہے کہ مقدمہ نمبر ۱۲ میں جو فیصلہ ۱۹۶۸ء میں صادر کیا گیا اس سے ۱۹۵۴ء کے اس فیصلہ کی قطعی تردید ہو جاتی ہے) لیکن ٹرسٹ کے مقاصد کے برخلاف بد انتظامی اور ٹرسٹ کی دستبرد سے روکنے کے لئے جہاں قانون خود آگے آئے تو اس سے دفعہ (ب) کی خلاف ورزی نہیں ہوتی[۱۲]۔

مذہبی معاملات کی تشریح :

مذہب میں اعتقاد کے علاوہ عمل بھی شامل ہے جسے مذہبی گروہ اپنی سمجھ کے مطابق انجام دے[۱۳، ۱۵]۔ یہ خوراک اور لباس تک بھی وسیع ہو سکتا ہے[۶]۔ لیکن کون سے رسوم و افعال اس کے مذہب سے متعلق ہیں اس کا فیصلہ کرنے کا مجاز اسی مذہبی گروہ کو ہے[۱۳]۔ لیکن عدالت کو یہ فیصلہ کرنے کا ضرور اختیار ہے کہ کون سا مخصوص فعل یا عمل کس مذہب کے اصولوں کا بنیادی حصہ ہے[۱۴، ۸]۔

مندرجہ ذیل امور مذہب کا حصہ نہیں ہیں :

۱۔ گائے کی قربانی مذہب کے تعلق سے[14]
۲۔ سکھوں کے گوردواروں میں نمائندگی کا طریقہ خواہ اس کے بورڈ پر سکھوں کی نمائندگی ضروری ہو[15]

مندرجہ ذیل امور مذہبی شمار کئے گئے ہیں:

۱۔ مندروں کی رسوم کی ادائیگی کے قوانین کے مطابق پوجا کے لئے داخلہ کے مجاز کون ہیں اور کہاں انھیں کھڑا ہونے کا حق ہے[16]۔ کن اوقات میں لوگوں کو داخل کیا جائے اور مراسم عبادت کیسے انجام دئے جائیں[16]۔

۲۔ اگرچہ غیر مذہبی بنیادوں پر کسی کو جماعت سے خارج نہیں کیا جا سکتا لیکن مذہبی یعنی عقیدہ کی بنیاد پر ایسا کیا جا سکتا ہے جیسا کہ داؤدی بوہرہ کمیٹی میں داعی کا حق[17]۔

آرٹیکل ۲۶ (ج) جائداد کا حق۔ یہ حق قطعی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے حکومت مناسب قانون وضع کر سکتی ہے[18]۔ اس کا حق حکومت کو دستور کے حصہ چہارم (رہنما اصولوں) کے آرٹیکل ۳۷ کے تحت حاصل ہوتا ہے۔ عدالتوں کی ذمہ داری ہے کہ متصادم مفادات کے درمیان عدل قائم کریں[19]۔

آرٹیکل ۲۶ (د) جائداد کے انتظام کا حق: واقفین کی مرضی کے مطابق کسی بھی مذہبی گروہ کو جائداد رکھنے، حاصل کرنے اور اس کا انتظام کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ مگر یہ انتظام جائز طور سے وضع کردہ قوانین کے مطابق ہی انجام پذیر ہوگا[20]۔ اگر کوئی قانون مکمل طور سے کسی جائداد کا انتظام اس کے مذہبی گروہ سے لے کر دوسروں کے ہاتھ میں دیدے تو اس سے آرٹیکل ۲۶ (د) میں دئے گئے حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے[21]۔ لیکن غبن وغیرہ کے الزامات کی تحقیق کے دوران روزمرہ کے انتظام کی ذمہ داری اس حق کی خلاف ورزی نہیں ہے[22]۔ لیکن بہرحال خالص

مذہبی امور میں حکومت کوئی قانون بنانے کی مجاز نہیں ہے۔[1]

کسی بیرونی اتھارٹی کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ کسی مخصوص وقت میں ادا کی جا
والی کوئی رسم یا تقریب مذہب کا لازمی جز نہیں ہے اور حکومت کے سیکولر ذمہ دا
کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ٹرسٹ کی جائداد کو انتظام کے لبادہ میں اپنی مرضی اور خواہ
کے مطابق پابند یا ممنوع قرار دے سکیں۔[11]

حکومت کو یہ بھی اختیار نہیں ہے کہ کسی بھی فرقہ کی جائداد کو ایسے افراد کے است
کے لئے کھول سکیں جس کو اس مذہبی فرقہ نے ممنوع قرار دیدیا ہے۔[12]

دفعہ ۲۶ (ب) اور (د)   دفعہ (ب) مذہبی امور سے متعلق ہے، جیسے رسوم
تقاریب کی ادائیگی تہوار وغیرہ نہ کہ کسی فرقہ کی جائداد سے متعلق جس کا ذکر دفع
میں ہے۔ اس لیے جائداد کے انصرام کے قوانین کو دفعہ (ب) کی خلاف ورزی نہ
کہہ سکتے۔[13] ہاں معاملات متعلقہ مذہب کو قانون کی زد میں نہیں لایا جاسکتا۔[15]

دفعہ ۲۶ (ج) اور (د)   یہ دفعات کسی فرقہ کو ایسا حق نہیں دیتی ہیں جو پہلے
اس کے پاس نہیں تھا۔ یہ فقط اس فرقہ کے جاری اختیار کو برقرار رکھتی ہیں۔ اگر کس
کے انصرام کا حق کسی فرقہ کے پاس کبھی بھی نہیں تھا یا اس نے جائز طور سے اسے چ
یا کسی بھی دوسرے پر اثر اور نہار دگر نا قابل حصول طریقے سے وہ الگ ہوگیا
ان دفعات کا اس معاملہ میں کامیابی سے اجرا نہیں کیا جاسکتا۔[5] بالفاظ دیگر ا
جگہ بھی جہاں کوئی مذہبی ادارہ کسی اقلیتی فرقہ نے قائم کیا ہو بعض حالات میں
جائداد کا انتظام چھوڑ دینا ہوگا۔[12] اس طرح اگر عطیہ کی شرائط یا جہاں شرائط مو
نہ ہوں۔ اس کی تاریخ واضح طور سے بتلاتی ہو کہ جائداد کا انتظام ہمیشہ حکو
کے مقرر کردہ اور اسی کو جوابدہ افسروں کے ہاتھوں میں رہا ہے، اس وقت
فرقہ کو دفعات ۲۶ (ج) اور (د) کے تحت حق انتظام حاصل ہوگا۔[5]

تنبیہ : مندرجہ بالا دفعات کے تحت جن مقدمات سے نظیریں حاصل کی گئی ہیں سب میں فریق مسلمان ہی ہیں ۔

آرٹیکل ۲۷ ۔ مذہبی مقاصد کے لئے کوئی فیس نہیں

اس آرٹیکل کے تحت کسی ٹیکس کی رقم کو کسی خاص مذہب کی ترقی یا اس کی بقا کے لئے مخصوص کرنے سے منع کیا گیا ہے ۔ ایک سیکولر اسٹیٹ ہونے اور دستور پر افراد اور گروہ دونوں کو آزادی مذہب کی گارنٹی ہونے کی وجہ سے یہ دستور کی پالیسی کے خلاف ہے کہ پبلک فنڈ میں سے کوئی رقم کسی مخصوص مذہب یا فرقہ کی ترقی یا بقا پر صرف کی جائے [۷] لیکن یہ آرٹیکل مذہبی اداروں کے سیکولر انتظام کو منضبط کرنے کے لئے اخراجات کی تحصیل کی خاطر فیس مقرر کرنے سے نہیں روکتا [۱۸، ۱۹]

آرٹیکل ۲۸ کے نفاذ میں غالباً اب تک کوئی پیچیدگی محسوس نہیں کی گئی ہے اس لئے اس پر نظیریں دستیاب نہیں ہیں ۔

آرٹیکل ۲۹ ۔ ۳۰ کے حدود ۔ یہ دونوں آرٹیکلز چار امتیازی حقوق عطا کرتے ہیں [۲۰] :

۱۔ شہریوں کے کسی طبقہ کا اپنی زبان، رسم الخط اور تہذیب (CULTURE) کو محفوظ رکھنے کا حق ۔

۲۔ ہر مذہبی یا لسانی اقلیت کا اپنی پسند کے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور انھیں چلانے کا حق ۔

۳۔ کسی تعلیمی ادارے کا حکومت سے امداد پانے کے معاملہ میں اس بنا پر امتیازی سلوک کی نفی کردہ کسی اقلیت کے زیر انتظام ہے ۔

۴۔ کسی شہری کا کسی حکومت یا حکومتی امداد کے ذریعہ چلنے والے ادارے میں صرف مذہب، قبیلہ، برادری یا زبان کی بنیاد پر داخلہ سے انکار نہ کئے جانے کا حق ۔

دفعہ ۲۹ (۱) اقلیتوں کے تہذیبی حقوق کا تحفظ :

اس دفعہ کے معنی ہیں کہ اگر کوئی تہذیبی اقلیت اپنی زبان رسم الخط یا تہذیب کو محفوظ رکھنا چاہتی ہے تو حکومت اس پر کوئی دوسری مقامی یا غیر مقامی تہذیب مسلط نہیں کرے گی۔ کسی حکومت (اسٹیٹ) کی مقننہ کا وضع کردہ قانون جہاں اس پورے اسٹیٹ پر نافذ ہوتا ہے وہاں "اقلیت" کا تعین پورے اسٹیٹ کی آبادی کے حوالے سے کیا جائے گا۔[۱۱]

اقلیتی تعلیمی اداروں اور بالخصوص یوپی اور دیگر ہندی ریاستوں کے تعلیمی اداروں کو ان تمام نظیروں کے تحت حاصل شدہ دستوری قوانین کی تفصیل سے واقفیت کی از حد ضرورت ہے۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔ اپنی تہذیبی اور مذہبی شناخت کی تگ و دو کرتے ہیں مسلم اقلیتی تعلیمی ادارے بنیادی حقوق سے ناواقفیت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ اور یوپی کی حد تک تو یہ بات بالیقین کہی جا سکتی ہے کہ اردو زبان کو ٹھکانے کے گھاٹ اتارنے میں اس زبان کا کلمہ پڑھنے والوں کا رول ریاست کی متعصب ترین حکومت سے کم نہیں رہا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس ضمن میں جہاں دوسری بہت سی اقلیتوں نے دستوری تحفظات کی خاطر قانونی جنگیں لڑی ہیں۔ اس زبان اردو کا علم اٹھا کر سیاسی استحصال کرنے والوں نے اس سمت میں کوئی پیش قدمی ہی نہیں کی۔ حالانکہ آزادی کے فوراً بعد جب اردو کا قتل عام شروع ہوا اس وقت بھی اور بہت بعد تک بہت سے ایسے ممتاز قانون داں موجود تھے جو اردو کے کاز کے لئے قانونی جنگ لڑ سکتے تھے۔ ان میں سر فہرست جناب ظفر احمد صدیقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ افسوس کہ ریاست یوپی میں اردو کو خود اس کے نام لیواؤں نے زیر زمین دفن کر دیا ہے۔ ورنہ اگر مسلمانوں کے زیر انتظام چلنے والے تعلیمی ادارے ہی اردو ذریعہ تعلیم کی جنگ کریں تو انھیں پورا دستوری اور قانونی

تحفظ حاصل ہے۔ افسوس کہ اس بنیاد پر توجہ دینے کے بجائے وہاں کے سیاسی اور لسانی لیڈروں نے اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کا علم اٹھا رکھا ہے۔ جبکہ اردو وہاں تقریباً ناپید ہو چکی ہے۔ اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانا یقیناً ایک کار نیک ہے لیکن ترجیح آخر کسے حاصل ہے اردو کی بقا کو یا اسے دوسری سرکاری زبان بنانے کو۔ امید کہ آرٹیکل ۲۹ ۔ یہ کی تفصیلات کا مطالعہ ان گذارشات کی روشنی میں کیا جائے گا۔

زبان کے تحفظ کے حق میں اس زبان کے تحفظ کی خاطر مظاہرہ بشمول سیاسی مظاہرہ کا حق بھی شامل ہے[۲۲]

دفعہ ۲۹(۱) میں دیا گیا حق ایک مطلق حق ہے سے کسی معقول پابندی سے بھی جکڑا نہیں جا سکتا جیسا کہ آرٹیکل ۱۹ (۱) میں شمار کیا گیا ہے۔ اس طرح شہریوں کے کسی طبقہ کی زبان کو محفوظ رکھنے کے لئے مظاہرہ کرنا عوامی نمائندگی کے قانون کی دفعہ ۱۲۳ (۳) کے تحت CORRUPT PRACTICE میں ہے[۲۳]

دفعہ ۲۹ (۲) کا مقصد

دفعہ (۱) کا مقصد گروہ کی آزادی ہے۔ دفعہ (۲) کا مقصد انفرادی آزادی (نہ کہ بحیثیت گروہ کے ایک فرد کے) کو برقرار رکھنا ہے ——— اگر کسی شخص کے پاس داخلہ کی مطلوبہ سندات نہیں ہیں تو وہ اس دفعہ کے تحت شکایت کرنے کا حق ہے جسے مطلوبہ سندات رکھنے کے باوجود مذہب، قبیلہ، ذات یا زبان کی بنیاد پر داخلہ دینے سے انکار کیا گیا ہے[۲۳] معکوس نتیجہ کے طور پر یہ مذہب، ذات، جنس یا پیدائش وغیرہ کی بنیاد پر ہندوستان سے باہر مقیم حکومت کے ملازمین کے بچوں کے داخلہ کے رزرویشن کی نفی نہیں کرتا[۲۴] یہ دفعہ ہر شہری کو بلا لحاظ اکثریت یا اقلیت تحفظ فراہم کرتا ہے[۲۵]

"صرف" مذہب، قبیلہ، ذات، زبان۔ کیوں؟

ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دفعہ کے تحت آنے والے اداروں کو ان مذکورہ شرائط کے علاوہ مزید شرائط جیسے پیشگی ٹریننگ، جسمانی صحت، ٹیکہ، ضرر رساں اداروں سے لاتعلقی، نظم وضبط اور اسی قبیل کی دوسری شرائط کے عائد کرنے سے روکا نہیں گیا ہے۔[۲۳، ۲۴]

یہ دفعہ کسی ادارہ کی انضباطی یا اسی قبیل کی اور کسی کارروائی کی بنیاد پر طالب علم کو ادارہ سے خارج کرنے کے حق کو مسترد نہیں کرتی بشرطیکہ اس کارروائی میں تجاوز سے کام نہ لیا گیا ہو۔[۲۶]

آرٹیکل ۱۵ (۱) اور ۲۹ (۲)

جبکہ آرٹیکل ۱۵ (۱) عمومی امتیاز کے خلاف تحفظ ہے۔ آرٹیکل ۲۹ (۲) ایک مخصوص قسم کی برائی جیسے حکومتی یا حکومت کی امداد پانے والے تعلیمی اداروں میں داخلہ سے انکار کے خلاف تحفظ ہے، آرٹیکل ۱۵ (۱) حکومت کے خلاف ہے جبکہ آرٹیکل ۲۹ (۲) حکومت یا کسی بھی فرد کے خلاف ہے جو اس آرٹیکل میں دیئے گئے تحفظات کا منکر ہے۔[۲۵]

آرٹیکل ۱۵ (۴) اور آرٹیکل ۲۹ (۲)

آرٹیکل ۲۹ (۲) کی موجودگی کے باوجود حکومت کو آرٹیکل ۱۵ (۴) کے تحت پسماندہ طبقات کے لئے اقل تعداد میں سیٹیں رزرو کرانے کا اختیار ہوگا لیکن یہ تعداد غیر معقول حد تک زیادہ نہ ہونی چاہیئے۔[۲۷، ۲۸]

آرٹیکل ۳۰ (۱) اقلیتوں کے تعلیمی اداروں کے قیام کا حق

یہ دفعہ اقلیتوں کو اپنے بچوں کو اپنے ذریعہ چلائے جانے والے اداروں میں اپنی زبان میں تعلیم دینے کا حق عطا کرتی ہے۔ اگر اس حق کی پامالی ہو تو اس فرقہ کے ذریعہ چلائے جانے والے ادارہ کو بنیادی حقوق کی پامالی کے خلاف چارہ جوئی کا حق

ہوگا۔ اگرچہ دستورِ ہند کے آرٹیکل ۳۵۱ کے تحت ہندی کو قومی زبان کی حیثیت سے فروغ دینے کی ذمہ داری ریاست کی ہے لیکن اس مقصد کو آرٹیکل ۲۹۔ ۳۰ کے تحت عطا کیے گئے حقوق کی خلاف ورزی کر کے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ ریاست کا ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے کسی زبان کے اختیار کرنے کے حق کو کسی گروہ کے بنیادی حقوق کے تحت اپنی زبان کو اختیار کرنے کے حق کے سامنے سپر انداز ہو جانا چاہیئے۔[۲۵]

تنبیہ: یہ یوپی کے مسلم اسکولز اور کالجز کے ذمہ داران کے لئے قابل توجہ ہے۔

دفعہ ۳۰ (۱) دو حقوق عطا کرتا ہے۔ ایک تعلیمی ادارہ قائم کرنے کا حق یعنی اس ادارہ کو وجود میں لانا[۱۲] اور دوسرے انتظام کرنے کا حق[۲۱، ۲۹] انتظام کرنے سے مراد یہ ہے کہ انتظامیہ کسی بیرونی کنٹرول سے آزاد ہوگی تاکہ بانی یا اس کے نامزد فرد ادارہ کو اپنے خیالات کے مطابق گروہ کے مفادات کے سانچے میں عمومی طور سے اور ادارہ کے مفاد میں خصوصی طور سے ڈھال سکیں۔

دفعہ (۱) کے اطلاق کی شرائط

اس حق کے دعویٰ کے لئے دو شرطیں ہیں (۱) اقلیت مذہبی یا لسانی ہو (۲) ادارہ اسی کا قائم کیا ہوا ہو۔ ان دونوں شرطوں کی بجا آوری کے بغیر انتظام کے حق کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس دعویٰ کی بجا آوری کے بعد دستورِ ہند کے نفاذ سے قبل یا اس کے بعد قائم ہونے والے دونوں ادارے اس حق کے مستحق ٹھہریں گے۔ دستور کے نفاذ سے قبل یا اس کے بعد قائم ہونے والے دونوں ادارے اس حق کے مستحق ٹھہریں گے۔ دستور کے نفاذ کے بعد بھی ایسے ادارے قائم کرنے کا حق قائم رہے گا۔

لیکن اگر یہ ادارہ کسی مذہبی اقلیت کا قائم کیا ہوا نہیں ہے تو چاہے وہ کسی طور سے اس کے انتظامیہ پر حاوی رہی ہو اسے اس کے انتظام کا حق نہ ہوگا۔ یہاں پر

یہ دونوں الفاظ "قائم کرنا" اور "انتظام کرنا" ایک دوسرے پر عطف ہیں اور اگر یہ دونوں شرائط ساتھ ساتھ موجود نہ ہوں تو (اس کے خلاف وضع کئے گئے) کسی قانون کو دفعہ (۳) (۱) کی خلاف ورزی کرنے والا نہیں کہا جا سکتا۔[۱۲]

اس سے قبل تبصرہ کیا جا چکا ہے کہ سپریم کورٹ نے اس کیس میں کس طرح مسلم اقلیتی حقوق کے خلاف فیصلہ دیا تھا۔ کیا ۱۹۲۰ء میں پاس کیا جانے والا علی گڈھ مسلم یونیورسٹی ایکٹ مسلم یونیورسٹی کو قائم کرنے کا ذمہ دار ہے؟

ان دونوں شرائط کی غیر موجودگی میں کیا یہ ضروری ہے کہ تعلیمی ادارہ لازمی طور سے اقلیتی فرقہ کے فائدہ کے لئے مختص ہو اور اس میں غیر اقلیتی فرقہ کا کوئی بھی فرد داخل نہ کیا جائے۔[۲۱، ۳۰]

دفعہ (۱) میں دئے گئے حق کا دائرہ کار

"اپنی پسند" کا فقرہ اتنا وسیع ہے جتنا وہ مخصوص گروہ پسند کرے۔[۲۱] اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ لازم نہیں ہے کہ اسکول کا نصاب اقلیت کے اس مخصوص زبان ہی کی تعلیم دے۔ ان اسکولوں میں مضامین کی تعلیم کی کوئی حد نہیں ہے اور مخصوص تعلیم کے ساتھ عمومی تعلیم سے انھیں روکا نہیں گیا ہے۔[۲۱، ۲۰]

دفعہ (۱) کے حق کی حدود

اگرچہ بظاہر آرٹیکل ۳۰ (۱) کے حق پر کوئی تحدید نہیں ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انتظامیہ کی اصلاح کا بھی حکومت کو اختیار نہیں ہے۔ کچھ حدود تو اس کے اندر ہی موجود ہیں۔ اس طرح "انتظام کرنے" کا مطلب "بدانتظامی" کرنا نہیں ہے۔ اس لئے امداد دینے میں یا اسکول کو تسلیم کرنے میں جو آرٹیکل ۳۰ (۱) کے تحت آتے ہیں ریاست ایسے قوانین نافذ کر سکتی ہے جو صفائی ٹیچروں کی صلاحیت یا نظم و ضبط کو برقرار رکھنے وغیرہ کی ضامن ہوں۔[۲۱] اسی طرح معیار تعلیم بھی انتظام کا

[illegible] ہے۔ اقلیتی اداروں کو بھی عام تعلیمی اداروں سے متوقعہ ایک اچھے معیار سے گرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی[۳۰] لیکن یہ تحدید اتنی نہ ہو کہ دفعہ (۱) [illegible] ہو جائیں[۲۰]۔ ایسے قوانین جن کا ادارہ کے مفاد سے کوئی تعلق نہ ہو [illegible] پبلک کے لئے کتنے ہی مفید کیوں نہ ہوں ان پر نافذ نہیں کئے جا سکتے[۲۱] [illegible] کی امداد آرٹیکل ۳۰ (۱) کے حقوق سے محروم نہیں کر سکتی۔ [illegible] کے لئے ریاست ایسے قوانین نافذ نہیں کر سکتی جس سے [illegible] ۳۰ (۱) کے حقوق [illegible] جاتے ہوں[۲۱]

ایسے ہی اگرچہ تعلیمی اداروں کو حکومت کی منظوری حاصل ہونے کا کوئی دستوری انتظام نہیں ہے اس لئے حکومت اداروں پر ایسی مناسب [illegible] [illegible] کی بابت یا مجلس انتظامیہ کی ترکیب جیسی قدغن عائد کر سکتی۔ [illegible]مت ایسی شرائط عائد نہیں کر سکتی جس کی بجا آوری اقلیتی طبقہ کو [illegible] ۳۰ (۱) کے ذریعہ دئے گئے حقوق سے محروم کرتی ہو[۲۹]۔ اس طرح حکومت ادارہ کو منظور کرنے سے پہلے یہ شرط نہیں لگا سکتی کہ وہ پرائمری اسکول میں فیس وصول نہ کرے کیونکہ اگر حکومت کے قوانین یا ضوابط میں ایسی کوئی گنجائش نہیں ہے جس سے مالی خسارہ پورا ہو سکے تو اس صورت میں ان تعلیمی اداروں کا جن کا حاصل یا بنیادی دارومدار طلبہ کی فیس پر ہو باقی رہنا ممکن نہیں ہے۔ اس طرح کی پابندی آرٹیکل ۳۰ (۱) کی خلاف ورزی متصور ہو گی[۲۱]

مختصراً آرٹیکل ۳۰ (۱) سے مطابقت کے لئے ضروری ہے کہ اقلیتی تعلیمی اداروں پر حکومت کی عائد کردہ شرائط کو (ا) معقول ہونا چاہئے (ب) ادارہ کے تعلیمی کردار کو منضبط کرنے اور اسے اقلیتوں یا اس سے فیض اٹھانے والوں کے لئے ایک موثر ذریعہ ہونا چاہئے (درگا داس باسو۔ کانسٹی ٹیوشنل لا آف انڈیا صفحہ ۹۲)

اقلیت

لفظ اقلیت کی دستور میں کوئی تعریف نہیں کی گئی ہے اس لئے اصطلاح معروف میں اس کے معنی یہ ہونا چاہیئے کہ وہ فرقہ کسی مخصوص ریاست میں عددی حیثیت سے ۵۰ فیصد سے کم ہو۔ اگر کسی قانون کو پوری ریاست میں آرٹکل ۳۰ کی بنا پر ٹھہرایا جاتا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ کسی مخصوص خطہ میں جہاں کہ وہ ادارہ واقع ہے وہیں وہ فرقہ میں اقلیت میں ہو[۲۱]۔ کیا کوئی فرقہ اقلیت میں ہے اس کا فیصلہ اس مخصوص قانون کی روشنی میں کیا جائے گا جسے ختم کیا جارہا ہے[۲۲]۔ لسانی اقلیت کے لئے ضروری کہ کوئی فرقہ ایک بولی جانے والی زبان رکھتا ہو۔ لازمی نہیں کہ اس کا رسم الخط بھی ہو[۲۳]۔ آریہ سماج پنجاب میں مذہبی اقلیت کا درجہ رکھتے ہیں کیونکہ ہندو مذہب کے حصار میں رہ کر بھی وہ سمرتی کے بہت سے اصولوں کو تسلیم نہیں کرتے[۲۴]۔

اینگلو انڈین طبقہ

دستور کے نفاذ کے بعد اقلیت کا اطلاق اسی گروپ پر ہوگا جو ہندستان میں مقیم ہو۔ لیکن اس آرٹکل میں تحفظات کا مطالبہ ان تعلیمی اداروں کی طرف سے کیا جاسکتا ہے جو ہندوستان میں اقلیتی فرقہ کے فائدہ کے لئے غیر مقیمین کی جانب سے دستور کے نفاذ سے قبل ہی قائم کئے گئے ہوں[۳۴]۔

واضح رہے کہ اینگلو انڈین فرقہ کو دستور ہند کے آرٹکل ۳۳۷ کا تحفظ بھی حاصل ہے۔

قائم کرنے اور انتظام کرنے کا حق

آرٹکل ۲۹ (۱) اقلیتی گروہ کو اپنی زبان اور تہذیب کو محفوظ رکھنے کا حق دیتا ہے۔ آرٹکل ۳۰ (۱) مذہبی اور لسانی اقلیتوں کو اپنی پسند کے تعلیمی ادارے قائم کرنے کا حق عطا کرتا ہے کیونکہ تعلیم ہی کے ذریعہ گروہی تہذیب کی بقا ممکن ہے۔ لیکن آرٹکل ۳۰

حدود اور مقاصد تہذیب اور رسم الخط سے زیادہ وسیع ہیں۔ جیسا کہ لفظ پسند (CHOICE) سے ظاہر ہے۔ اس حق کا مقصد ایسے ادارے قائم کرنا ہے جو اپنے گرد ران کے اہل علم کی ضروریات کو جو اس ادارے سے وابستہ ہوں موثر طور سے پورا کر سکے۔ ر ان اداروں سے وابستہ اہل علم کو اعلیٰ تعلیم کے مواقع سے جو ایک با مقصد طرز زندگی ا ضامن بن سکیں محروم کر دیا جائے تو اس حق کی نفی ہو جاتی ہے۔[۳۲] اس کے علاوہ لیت کے اپنے اداروں کے حق انتظام کی پامالی ہوتی ہے۔ اگر (ا) پرنسپل کی تقرری ے معاملہ میں یونیورسٹی کو انتظامیہ کے ذریعہ کئے گئے فیصلہ کو کالعدم کرنے کا اختیار یدیا جائے[۳۳] (ب) نظم و نسق کے حقوق کو مجلس انتظامیہ سے منتقل کر کے یونیورسٹی دیدیا جائے۔[۳۰]

آرٹیکل ۲۹ اور آرٹیکل ۳۰

جبکہ آرٹیکل ۲۹ کے حقوق صرف ہندوستانی شہریوں ہی کو حاصل ہوتے ہیں۔ "شہریت" ٹیکل ۳۰ کے تحفظات کے لئے لازمی شرط نہیں ہے۔ اس لئے کسی بیرونی مشنری کا ہندوستان میں تعلیمی ادارہ قائم کرنا آرٹیکل ۳۰ (۱) میں مندرج حقوق کا مستحق ہونا ہے۔[۱۲]

یہ دونوں آرٹیکلز مختلف حقوق پیدا کرتے ہیں لیکن آرٹیکل ۳۰ (۱) کی وسعت آرٹیکل (۱) کے ذریعہ مقطوع نہیں ہو سکتی۔[۲۹] جبکہ آرٹیکل ۲۹ (۱) اقلیتوں کے اپنی زبان، رسم الخط ر تہذیب کو محفوظ رکھنے کا ایک عمومی انتظام ہے۔ آرٹیکل ۳۰ (۱) اقلیتوں کو یہ خصوصی ا دیتا ہے کہ وہ اپنی پسند کے تعلیمی ادارے قائم کریں اور انھیں چلائیں۔ یہ پسند نتیار) اقلیتی فرقہ کے قائم کردہ انھیں اداروں تک محدود نہیں ہے جو زبان یرہ کے تحفظ کے لئے قائم کئے گئے ہوں بلکہ ان اداروں کو بھی محیط ہے جس میں سرے فرقہ کے افراد کو بھی داخلہ ملتا ہو۔[۳۹]

آرٹیکل ۳۰(۱) اور آرٹیکل ۱۹

آرٹیکل ۳۰(۱) میں دئے گئے حقوق کو آرٹیکل ۱۹ کے تحت کنٹرول نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ حکومت کو یہ اختیار ہے کہ ادارہ کو خوب تر کرنے، منضبط کرنے یا صحت، صفائی، اخلاق اور امن عامہ جیسے حقوق کی خاطر قوانین بنائے جب تک کہ یہ قوانین آرٹیکل ۳۰(۱) کے مندرجات کو پابند نہ کرتے ہوں۔[۱۳]

آرٹیکل ۳۰(۱) اور آرٹیکل ۲۸(۳)

اگر کوئی اقلیتی ادارہ حکومت کی امداد یا منظوری حاصل کئے ہوئے ہے تو اسے کسی طالب علم کو مذہبی تعلیم دینے یا کسی مذہبی عبادت میں اس ادارہ کے حدود میں زبردستی شریک ہونے پر اس طالب علم یا اس کے سرپرست کی مرضی کے بغیر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔[۲۰]

آرٹیکل ۳۰(۱) اور آرٹیکل ۲۹

آرٹیکل ۳۰(۱) کا استحقاق دراصل آرٹیکل ۲۹ کا ہی عطا کردہ ہے کیونکہ بغیر تعلیمی اداروں کے کوئی اقلیت اپنی زبان وغیرہ کی موثر طور سے حفاظت نہیں کرسکتی[۲۹] لیکن آرٹیکل ۳۰(۱) آرٹیکل ۲۹(۱) سے بالکل الگ ایک حق ہے اس لئے اس حق کا مطالبہ اقلیتوں کے قائم کئے ہوئے اس ادارے کے ذریعہ بھی کیا جاسکتا ہے جس کے مقاصد اس فرقہ کی زبان، رسم الخط اور تہذیب کے تحفظ تک محدود نہ ہوں۔ آرٹیکل ۳۰(۱) کی وسعت آرٹیکل ۲۹(۱) کے ذریعہ کم نہیں کی جاسکتی۔[۲۹، ۲۰]

ہاں آرٹیکل ۳۰(۱) کا حق آرٹیکل ۲۹(۲) کے تحت مشروط ضرور ہے کیونکہ اگر کسی اقلیتی ادارہ کو حکومت کی امداد ملتی ہے تو وہ اپنے فرقہ سے باہر کے کسی شخص کو اختلاف مذہب کی بنیاد پر داخلہ دینے سے انکار نہیں کرسکتا[۲۹] نہ ہی اگر حکومت آرٹیکل ۱۵(۴) کے تحت کوئی خصوصی گنجائش پیدا کرے تو پسماندہ طبقہ کے کسی

شخص کو داخلہ دینے سے حکومتی امداد پانے والا تعلیمی ادارہ انکار کرسکتا ہے۔

آرٹیکل ۳۰ (۱) اور آرٹیکل ۳۱ (۲)

اگرچہ آرٹیکل ۲۶ کے تحت مذہبی ادارے یا آرٹیکل ۳۰ (۱) کے تحت اقلیتی ادارے آرٹیکل ۳۱ (۲) کے تحت حکومت کے لازمی حصول (جائیداد) کے حق سے محفوظ نہیں ہیں۔ لیکن ۱۹۷۸ء میں دستور کی پچیسویں ترمیم کے ذریعہ آرٹیکل ۳۰ (۱) کے تحت اقلیتی اداروں کی جائیداد اکثریتی فرقہ کی جائیداد کے مقابلہ میں بہتر پوزیشن میں آگئی ہے۔ کیونکہ اگر اس کا (اقلیتی فرقہ کی جائیداد کا) معاوضہ اگر بہت کم ہو تو اکثریتی فرقہ کی جائیداد کے مقابلہ میں اسے آرٹیکل ۳۰ (۱) کے تحت عدالتی کارروائی کا حق ہے (درگا داس باسو۔ کانسٹی ٹیوشن آف انڈیا صفحہ ۹۴)

واضح رہے کہ آرٹیکل ۳۱ جائیداد کے حقوق سے تعلق ہے

آرٹیکل ۳۰ (۱) اور رہنما اصول

کوشش کی جانی چاہیئے کہ اقلیتی فرقہ کے اپنے تعلیمی اداروں کو قائم کرنے اور انھیں چلانے کے حق اور حکومت کی تعلیم کو فروغ دینے اور آرٹیکلز ۴۱۔ ۴۵۔ ۴۶ کی ہدایات کے مطابق [illegible] اور لازمی تعلیم رائج کرنے کی ذمہ داری کے درمیان توافق پیدا کیا جائے۔

اس طرح اگرچہ حکومت کی حتمی ذمہ داری ہے کہ فری اور لازمی تعلیم کا اجراء کرے۔ حکومت کے لئے یہ قطعی ممکن ہے کہ اس ذمہ داری کو حکومتی یا حکومت کی مدد سے چلنے والے اسکولوں کے ذریعہ پورا کرے اور آرٹیکل ۴۵ اس کا تقاضہ نہیں کرتا کہ اقلیتی فرقہ کو اس ذمہ داری کی قیمت چکانی پڑے۔ ان کے زیر انتظام چلنے والے تعلیمی اداروں کو حاصل کرکے یا ان پر قبضہ کرکے جس کے انتظام کا انھیں آرٹیکل ۳۰ (۱) کے تحت استحقاق حاصل ہے۔[۲۱]

یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ آرٹیکل ۳۱ (۵) ۱۹۷۶ء میں ترمیم کے باوجود آرٹیکل ۱۴، ۱۹ اور ۲۱ سے باہر کسی بھی بنیادی حق کو مسترد نہیں کرتا[25]

مندرجہ نظائر کے تفصیلی مطالعہ سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ اگرچہ مختلف دفعات آرٹیکلز کے تحت بنیادی حقوق کی سہولیات کو کم یا منضبط کرنے کی کوشش کی گئی ہے پھر بھی بنیادی حقوق آئین ہند کا غیر منقطع حصہ ہیں۔ اور اگرچہ مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے تقریبا تمام ہی نظائر میں اگرچہ عدلیہ کا رویہ ان کے مفاد کے تئیں زیادہ ہمدردانہ نہیں رہا ہے پھر بھی دوسری اقلیتوں کے مقدمات نے جو قانونی نظائر مہیا کئے ہیں۔ ان سے تمام اقلیتوں بشمول مسلمانوں کے مقاصد کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

یہ بھی نوٹ کرنے کی بات ہے کہ تعلیمی ادارے مذہب، زبان، تہذیب اور ثقافت ہی کے مسلسل تحفظ کا ذریعہ ہیں اس لئے کسی بھی اقلیتی تعلیمی ادارہ میں خواہ اسے حکومت سے مدد ملتی ہو دینی تعلیم مکمل طور سے دی جاسکتی ہے۔ شرط صرف یہ ہے آرٹیکل ۲۸ (۳) کے تحت طالب علم خود یا اگر وہ نابالغ ہے تو اس کا سرپرست اس کے لئے تحریری اجازت دیدے۔ مختلف ریاستوں کے ایجوکیشن کوڈ میں اقلیتوں کے اس حق کا تذکرہ موجود ہے اور ان تمام قوانین سے فائدہ اٹھانا اقلیتوں کا بنیادی حق ہے۔

حواشی

۱۔ رتی لال بنام ریاست بمبئی ۱۹۵۴ - ایس سی - آر ۱۰۵۵ -

۲۔ رام جی لال بنام ریاست یوپی اے۔ ۱۹۵۷ - ایس سی ۶۲۰

۳۔ سیف الدین بنام ریاست بمبئی اے ۱۹۶۲ - ایس سی ۸۵۳ (۳۶۳)

۴۔ وینکٹ رمن بنام ریاست میسور اے۔ ۱۹۵۸ - ایس سی ۲۵۵ (۲۶۷)

۵۔ نریندر بنام ریاست گجرات۔ اے ۱۹۷۴۔ ایس سی ۲۰۹۸

۶۔ کمشنر ایچ۔ آر۔ ای بنام لکشمیندر۔ ۱۹۵۴۔ ایس سی آر ۱۰۰۵

۷۔ قریشی بنام ریاست بہار۔ ۱۹۵۹ء۔ ایس سی آر ۶۲۹

۸۔ درگاہ کمیٹی بنام حسین اے۔ ۱۹۶۱۔ ایس سی۔ ۱۴۰۲ (۱۴۱۵)

۹۔ راما نوجا بنام ریاست تامل ناڈو۔ اے۔ ۱۹۷۲۔ ایس سی۔ ۱۸۵۶

۱۰۔ بھنا پرس داس جی بنام مول داس اے ۱۹۶۶ ایس سی ۱۱۱۹ (۱۱۲۷)

۱۱۔ خواجہ میاں اسٹیٹ (Khajamia Estates) بنام ریاست مدراس۔
اے۔ ۱۹۷۱۔ ایس سی ۱۶۱ (۱۶۵)

۱۲۔ عزیز پاشا بنام حکومت ہند (یونین آف انڈیا) اے۔ ۱۹۶۸ ایس سی ۶۶۲
(۶۷۴)

۱۳۔ سردیپ سنگھ بنام ریاست پنجاب اے سنہ ۱۹۵۹ء ایس سی ۸۶۰ (۹۵۰)

۱۴۔ موتی داس سلامی۔ اے۔ ۱۹۵۹۔ ایس سی ۹۴۲ (۹۵۰)

۱۵۔ گوبند لال جی بنام ریاست راجستھان۔ اے ۱۹۶۸۔ ایس سی۔ ۱۶۳۸

۱۶۔ سورج پال بنام ریاست یوپی۔ ۱۹۵۲۔ ایس سی آر ۱۰۵۶

۱۷۔ دگیا درشن بنام ریاست آندھرا پردیش۔ اے۔ ۱۹۷۰۔ ایس سی ۱۸۱ (۱۸۸)

۱۸۔ ریاست راجستھان بنام سجن لال۔ اے۔ ۱۹۷۵۔ ایس سی ۷۰۶

۱۹۔ ہرا کشور بنام ریاست اڑیسہ۔ اے۔ ۱۹۶۴۔ ایس سی۔ ۱۵۰۱ (۱۵۱۰)

۲۰۔ سینٹ زیویرس کالج بنام ریاست گجرات۔ اے۔ سنہ ۱۹۷۴ء ایس سی۔ ۱۳۸۹
(پیراگراف ۶۔ ۷۳۔ ۱۲۴)

۲۱۔ کیرالہ ایجوکیشن بل بحوالہ اے ۱۹۵۸ ایس سی ۹۵۶۔

۲۲۔ جگدیو سنگھ بنام پرتاپ سنگھ۔ اے۔ ۱۹۶۵۔ ایس سی۔ ۱۸۳ (۱۸۸)

٢٣۔ ریاست مدراس بنام چمپکم ۔(١٩٥١) ایس۔سی۔آر۔ ٥٢٥

٢٤۔ چترا گھوش بنام حکومت ہند۔اے ١٩٧٠۔ ایس۔سی۔ ٣٥

٢٥۔ ریاست بمبئی بنام بمبئی ایجوکیشن سوسائٹی۔(١٩٥٥) ا۔ایس۔سی۔آر۔ ٥٦٨)

٢٦۔ ونو سنگھ بنام کروکشیترا یونیورسٹی۔ اے۔ ١٩٧١۔ پی۔اینڈ۔ ایچ۔ ٣٤٠(٢٤٥)

٢٧۔ چیتنا بنام ریاست میسور۔اے۔١٩٧١ ایس سی ١٧٦٢ (پیراگراف ٣٢-٣٣)

٢٨۔ ریاست آندھرا پردیش بنام بالا ام۔اے۔١٩٧٢۔ایس۔سی ٣٤٥ (پیراگراف ٨٠)

٢٩۔ ریونڈ فادر بنام ریاست بہار۔اے ١٩٥٩۔ایس سی ٣٦٥

٣٠۔ ریاست کیرالہ بنام مدر پراونشیل۔اے۔١٩٧٠۔ایس۔سی۔٢٠٧٩ (٢٠٨٢)

٣١۔ سدھراج بھائی بنام ریاست گجرات۔اے۔١٩٦٣۔ایس۔سی۔ ٥٤٠

٣٢۔ جی۔ایف۔کالج بنام آگرہ یونیورسٹی۔ اے۔١٩٧٥۔ایس۔سی۔ ١٨٢٠

٣٣۔ ڈی۔اے۔وی کالج بنام ریاست پنجاب۔اے۔١٩٧١۔ایس۔سی۔١٧٣١، ١٧٣٧

(٤٣-٤٤ ١٧٤٢)

٣٤۔ ایس۔کے۔پیٹرو بنام ریاست بہار۔اے۔١٩٧٠۔ایس۔سی ٢٥٩

٣٥۔ کیشوانند بنام ریاست کیرالہ۔(١٩٧٣) ضمیمہ ایس۔سی۔آر۔١-١٩٧٣ اے

ایس۔سی۔ ١٤٦١۔